6

ایک عدالتی بیان کے متعلق غیر مبائعین کا اعتراض اور اس کا جواب

(فرمودہ 21 فروری 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"ایک ہفتہ پہلے میری کھانسی کچھ کم ہو گئی تھی مگر گزشتہ جمعہ کے بعد پھر زیادہ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے آج میرے لئے زیادہ بولنا مشکل ہے تاہم آج مَیں ایک ایسے مضمون کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اخبارات میں کئی دفعہ آچکا ہے اور وہ پیغامیوں کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ مَیں جہاں تک میرا خیال ہے اس کے متعلق پہلے بھی کسی خطبہ میں یا شاید جلسہ سالانہ کے موقع پر کچھ بیان کر چکا ہوں لیکن چونکہ ابھی وہ اعتراض بار بار دوہرایا جا رہا ہے اس لئے دوبارہ اس کے متعلق بیان کر دیتا ہوں۔ اس اعتراض کا جواب دینے کی غرض سے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لئے کہ جب انسان تقویٰ کو چھوڑتا ہے تو کس طرح خدا تعالیٰ کا خوف اس کے دل سے جاتا رہتا ہے اور وہ کس حد تک گر جاتا ہے۔ اور جماعت کو بیدار کرنے اور ایسی باتوں سے بچے رہنے کے لئے اس ذکر کو دوبارہ چھیڑتا ہوں۔ یہ اعتراض اخبار "پیغام صلح" میں ایک صاحب میاں محمد صادق صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی طرف سے کچھ ماہ ہوئے شائع کیا گیا تھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مَیں نے کسی عدالت میں گواہی دیتے وقت یہ بیان کیا کہ مَیں نہیں جانتا کہ

مستری محمد حسین صاحب بٹالہ کے رہنے والے نے (جو کہا جاتا ہے کہ محمد علی خان صاحب احمدی مرحوم جو پشاور کی طرف کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہاتھ سے مارے گئے تھے) مستری عبد الکریم صاحب کی ضمانت دی تھی۔ میاں محمد صادق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ اس سے پہلے مَیں بعض خطبات میں یہ بیان کر چکا تھا کہ مستری محمد حسین صاحب نے مستری عبد الکریم صاحب کی ضمانت دی تھی اورچونکہ میں یہ بیان کر چکا ہوُا تھااس لئے عدالت میں میرا یہ کہنا کہ مجھے علم نہیں ہے خلافِ واقعہ بات تھی۔ مَیں اختصاراً پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ عدالتی علم اورعام سوسائٹی کا علم دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ عدالت میں علم کے اور معنے ہیں اور سوسائٹی میں علم کے اور معنے لئے جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص یہ خبر مشہور کرتا ہے کہ زید فوت ہو گیا۔ بکر خالد سے آ کر پوچھتا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ زید فوت ہو گیا ہے؟ اگر تو خبر دینے والا ان لوگوں کے نزدیک قابلِ اعتبار آدمی ہے تووہ کہے گا کہ ہاں بہت افسوس ہے مجھے بھی معلوم ہو چکاہے کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ یہاں علم کے معنے صرف یہ ہیں کہ مَیں نے ایک یا ایک سے زیادہ لوگوں سے جو بظاہر قابلِ اعتبار ہیں یہ بات سنی ہے لیکن اگر عدالت میں متوفی کی جائداد کے متعلق کوئی دعویٰ چل رہا ہو اور بکر یا خالد کو کوئی کہے کہ چل کر گواہی دے دو کہ زید شخص فوت ہو چکا ہے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں علم ہے کہ وہ فوت ہو چکا ہے کیونکہ عدالتاً وہ یہ اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب وہ ان کے سامنے فوت ہوُا ہو یا انہوں نے اس کی لاش کو دیکھا ہو۔ یہ کہنا کہ مَیں نے فلاں سے سنا تھا کہ وہ فوت ہو چکا ہے عدالت کے نزدیک علم نہیں کہلا سکتا۔ گو عُرفِ عام میں یہ علم کہلاتا ہے۔ عام دستور سوسائٹی کا یہی ہے کہ جب ہم دو چار معتبر آدمیوں سے کوئی بات جو راز کی قسم کی نہیں ہوتی سنتے ہیں تو اسے درست مان لیتے ہیں۔ مستری محمد حسین صاحب کا ضمانت دینا ایک عدالتی فعل تھا اورمَیں اس عدالت میں موجود نہیں تھا۔ بہرحال مَیں نے یہ بات سنی ہو گی کہ اس شخص نے مستری عبد الکریم کی

ضمانت دی ہے۔ ممکن ہے جو کچھ مَیں نے سنا صحیح ہو اور ممکن ہے غیر صحیح ہو جس حد تک جماعت کو نصیحت کا تعلق تھا اور مَیں نے اسے یہ بتانا تھا کہ ایسے مواقع پر اسے اشتعال میں نہیں آنا چاہئے اس سنی ہوئی بات پر اپنے وعظ کی بنیاد رکھنا میرے لئے کافی تھا کیونکہ اگر وہ بات غلط بھی ہوتی تب بھی کوئی ہرج نہ تھا۔ کیونکہ میں نے تو صرف یہی کہنا تھا کہ جماعت کو ایسی باتوں پر جوش میں نہیں آنا چاہئے۔ اگر مستری محمد حسین نے ضمانت نہ دی ہوتی تب بھی یہ نصیحت ٹھیک تھی لیکن عدالت میں جاکر بات اور ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ میرے سامنے یہ ضمانت دی گئی تھی مجھے اس قسم کی باتوں سے ایک سے زیادہ مرتبہ واسطہ پڑا ہے۔ ایک دفعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے ہم غالباً ڈاک بنگلہ میں یا کسی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سر ظفر اللہ خان صاحب بھی ساتھ تھے۔ جب کچہری کو جانے لگے تو مَیں نے ان سے دریافت کیا کہ ایسے سوالات ہوا کرتے ہیں مجھے کیا جواب دینا چاہئے۔ یہ کہنا چاہئے کہ علم ہے یا یہ کہ علم نہیں۔ چوہدری صاحب نے بتایا کہ ایسے مواقع پر عدالت میں علم کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کوئی بات خود دیکھی یا اگر وہ سننے سے تعلق رکھتی ہے تو براہ راست سنی ہو۔ کسی واسطہ سے سنی ہوئی یا دیکھنے والی بات کسی دیکھنے والے سے سنی ہوئی عدالتی لحاظ سے علم نہیں کہلا سکتا۔ مَیں نے ان سے کہا کہ ہمارے چاروں طرف دشمن ہیں ، مخالف ہیں، بعض باتیں مشہور ہیں اور ہم نے بھی سنی ہوئی ہیں گو دیکھی نہیں یا براہ راست نہیں سنیں اگر مَیں کہہ دوں کہ علم نہیں تو مخالف شور مچا دیں گے کہ جھوٹ بولا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مَیں عدالت کے سامنے کھول کر یہ صورت رکھ دوں۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ ہاں اس میں کوئی ہرج نہیں۔ شیخ بشیر احمد صاحب بھی غالباً ساتھ تھے۔ ان سے بھی مَیں نے ذکر کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ عدالتی طور پر یہ علم نہیں کہلاتا۔ چنانچہ ایسے سوالات مجھ سے کئے گئے تو مَیں نے عدالت سے کہا کہ یہ بات مَیں نے براہ راست دیکھی یا اس شخص سے سنی نہیں جس سے یہ متعلق ہے لیکن یوں مَیں نے سنی ہوئی ہے۔

ایسی صورت میں مجھے کیا جواب دینا چاہئے؟ آیا کہوں مجھے علم ہے یا یہ کہ علم نہیں۔ عدالت نے مجھے کہا کہ آپ یہی کہیں کہ مجھے علم نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس پر مَیں نے پھر کھول کر یہ بات بیان کی کہ ہمارے بہت سے مخالف ہیں وہ اس کے معنی یہ لیں گے کہ مَیں نے جھوٹ بولا اور گو مجھے ذاتی طور پر علم نہیں اورمَیں نے آپ فلاں بات نہیں دیکھی یا سننے سے تعلق رکھنے والی براہ راست متعلقہ آدمی سے نہیں سنی۔ مگر یوں مجھے معلوم ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں میرا کیا جواب صحیح ہو گا؟ اس پر عدالت نے پھر یہی جواب دیا کہ صحیح جواب یہی ہے کہ مجھے علم نہیں۔ حالانکہ عُرفِ عام کے لحاظ سے مَیں کہہ سکتا تھا کہ علم ہے۔ مَیں نے اخبار الفضل میں پڑھا ہے کہ میاں محمد صادق صاحب نے لکھا ہے کہ مَیں نے عدالت میں یہ جواب لکھوایا کیوں نہیں؟ وہ پولیس کے محکمہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں نے یہ بات لکھوائی کیوں نہیں ناواقفیت یا غفلت کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ گواہ عدالت کو مجبور نہیں کر سکتا کہ چاہے سرکاری قانون اجازت دے یا نہ دے ضرور اسی طرح لکھا جائے۔ میرا کام صرف یہی تھا کہ مَیں نے ساری صورت حالات عدالت کے سامنے رکھ دی۔ باقی ایسے مجبور کر کے اپنی مرضی کے مطابق لکھوانا میرے اختیار میں نہ تھا۔ واقعہ کی گواہی پر بیشک عدالت پر زور دیا جا سکتا ہے لیکن ایسے امور کے متعلق جو گواہی سے تعلق نہیں رکھتے ان کا تعلق صرف میاں محمد صادق صاحب کی قسم کے لوگوں سے ہوتا ہے عدالت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گواہی کا واقعہ ایک دفعہ دیوان سکھانند صاحب کی عدالت میں پیش آیا ہے اور ایک دفعہ اس سے پہلے ایک اور عدالت میں۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ خود مجسٹریٹ صاحبان کو بھی یہ امور یاد ہوں گے۔ پولیس افسر سے امید کی جاتی ہے کہ وہ عدالتوں کے ضابطہ سے واقف ہے اور اس سے اس علم کی بھی امید کی جا سکتی ہے کہ کسی عدالت کو سوالات کے جواب کے سوا اور کسی بات کے لکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ پس میاں محمد صادق صاحب کا

ان امور کو جانتے ہوئے اس اعتراض پر اصرار کرنا صرف یہ بتاتا ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانا چاہتے ہیں۔ جس وقت تک بات کھلی نہ تھی اس وقت تک تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ یہ اعتراض نادانستہ کیا گیا تھا اور وہ غلطی میں مبتلا تھے۔ مگر پوری وضاحت اور تشریح کے باوجود اس پر اصرار کے یہ معنے ہیں کہ وہ جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس صورت میں مَیں ان کے اعتراض کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں دے سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس ظلمت سے نجات دے۔ اس قسم کے معترضین کو خاموش کرانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔ جب ایسے لوگ حد سے بڑھ جایا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ان کو خاموش کر دیا کرتا ہے۔ مگر کیا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکا کر ان نعمتوں سے بھی محروم ہو جائے جو اسے پہلے حاصل تھیں۔

پس مَیں میاں صاحب موصوف کو کچھ نہیں کہنا چاہتا ان کا معاملہ اب میں نے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے جو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس وقت میں جماعت کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھو اہلِ پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ماننے والے کہلاتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے صحابی بھی کہلاتے ہیں۔ شروع دن سے ہی ان کے سر کردوں کی یہ حالت رہی ہے کہ میرے خلاف غلط بیانی کرتے رہے ہیں۔ مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جبکہ بھیرہ کا ایک مکان حکیم فضل دین صاحب نے انجمن کو وصیت میں دیا اور انجمن نے اسے بیچنا چاہا اس کی قیمت سات آٹھ ہزار روپیہ تک ملتی تھی۔ وہ مکان حکیم صاحب مرحوم کا ذاتی نہ تھا بلکہ انہوں نے خود یا ان کے خاندان نے کسی اور سے خرید کیا تھا اور جن سے وہ مکان خریدا گیا تھا وہ بھی بھیرہ کے ہی معزز لوگ تھے۔ کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر ایسے وقت میں جب وہ کوئی رقم ادا نہیں کر سکے، وہ یا نیلام ہو گیا تھا، یا رقم ادا کرنے کے لئے انہوں نے خود فروخت کر دیا تھا اور پانچ ہزار روپیہ میں نیلام یا بیع ہوا تھا۔ جب انہوں نے سنا کہ انجمن اس مکان کو نیلام کرنے لگی ہے تو انہوں نے

حضرت خلیفہ اول کو لکھاکہ یہ مکان ہمارا ہے مصیبت کے وقت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اب ہم سے پانچ ہزار روپیہ لے لیا جائے اور یہ ہمیں ہی دے دیا جائے۔ہم نے بھی پانچ ہزار میں دیا تھا اورمکان زیادہ قیمت کا ہے اور اس وجہ سے کہ ہم نے بھی مصیبت کے وقت اور قرضہ کی ادائیگی کے لئے اسے فروخت کر دیا تھا ہم اس رعایت کے مستحق ہیں اور اگر یہ مکان اب ہمیں اسی قیمت پر دے دیا جائے تو یہ ایک طرح کا ہم پر رحم ہو گا۔ یہ بات حضرت خلیفۂ اول کے دل کو لگی اور آپ نے سفارش کی اور فرمایا کہ یہ مکان ان لوگوں کو پانچ ہزار روپیہ میں دے دیا جائے۔ ان کارپردازانِ انجمن نے حضرت خلیفۂ اول کو لکھا کہ مکان زیادہ قیمت کا ہے اورزیادہ قیمت مل سکتی ہے۔ اگر پانچ ہزار میں دے دیا گیا تو سلسلہ کو نقصان ہو گا۔اس پر حضرت خلیفۂ اول نے فرمایا کہ بے شک یہ زیادہ مالیت کا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں نے مصیبت کے وقت قرضہ کی رقم پوری کرنے کے لئے دے دیا تھا اور ہمارے سلسلہ کی بنیاد چونکہ اخلاق پر ہے اس لئے ہمیں ان لوگوں سے حسن سلوک کرنا چاہئے مگر ان لوگوں نے پھر اصرار کیا کہ بعض لوگ سات آٹھ ہزار دیتے ہیں اور ممکن ہے نَو ہزار ہی مل جائے۔ اور جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت خلیفۂ اول نے ناراض ہو کر تحریر فرما دیا کہ جس طرح مرضی ہو کرو مَیں اس میں دخل نہیں دیتا۔

انجمن کا اجلاس بلایا گیا۔ مسجد مبارک کے ساتھ جو کوٹھڑی ہے جس میں مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم بیٹھا کرتے تھے ، مولوی شیر علی صاحب بھی بیٹھ کر کام کرتے رہے ہیں یہاں مولوی محمد علی صاحب نے دفتر بنایا ہوا تھا اورانجمن کے اجلاس یہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ کسی زمانہ میں غسلخانہ بھی رہا ہے اور اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بیٹھک بھی رہی ہے اور اسی جگہ سرخ چھینٹوں والا نشان ظاہر ہوا تھا۔ خیر اس جگہ سب ممبر جمع ہوئے۔ سوال اس رنگ میں پیش ہوا کہ اس مکان کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا جائے۔ یہ لوگ

باتیں کرتے رہے مَیں بیٹھا رہا۔ میری عمر اُس وقت 22، 23 سال کی تھی۔ وہاں مولوی محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب بھی تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے متعلق یاد نہیں کہ تھے یا نہیں۔ باتیں ہوتی رہیں اور مَیں خاموش بیٹھا رہا آخر مجھ سے پوچھا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ مَیں نے کہا میری رائے آپ لوگ کیا پوچھتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی مرضی ہے کہ سابق مالکوں کو اسی رقم میں مکان دے دیا جائے اور میری بھی یہی رائے ہے۔ میرے جواب میں ان میں سے کسی نے کہا کہ میاں صاحب خلیفۃ المسیح نے اجازت دے دی ہے۔ ان لوگوں نے جب حضرت خلیفۃ المسیح اول کے خلاف کوئی بات کرنی ہوتی تو ان کا قاعدہ تھا کہ آپ کے تقویٰ و طہارت کی بہت تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسا خلیفہ دیا ہے جو بہت متقی اور دین کے اموال کا بہترین محافظ ہے۔ چنانچہ آپ نے اجازت دے دی ہے۔ مَیں نے کہا خوب۔ پھر تو بہت اچھی بات ہے مگر وہ اجازت ذرا مجھے بھی دکھایئے۔ چنانچہ مجھے آپ کی تحریر دکھائی گئی۔ اسے دیکھ کر مَیں نے کہا کہ یہ اجازت تو نہیں یہ تو ناراضگی کا اظہار ہے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب! تقویٰ اختیار کریں۔ یہ قوم کا مال ہے، خدا تعالیٰ کا مال ہے، خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ مَیں نے کہا کہ ہم سب سے زیادہ تقویٰ کا خیال حضرت خلیفۃ المسیح کو ہے اور خدا تعالیٰ کو جواب دینے کی فکر بھی ان کو سب سے زیادہ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے سامنے ہم سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ جب ہم مانتے ہیں کہ وہ علم میں ہم سب سے زیادہ ہیں اور جماعت کا خلیفہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے تو سلسلہ کے اموال کے متعلق سب سے زیادہ درد اور تقویٰ کا معیار انہیں کو حاصل ہے۔ اس لئے وہ جو فرماتے ہیں وہی درست ہے اور میرے نزدیک ہمارے لئے تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ ان کی بات مان لی جائے۔ اس پر سب نے مل کر تقویٰ کرو تقویٰ کرو کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ مَیں نے کہا مَیں نے اپنی رائے

دے دی ہے اور مَیں تو اکیلا اس رائے کا ہوں آپ لوگوں کی کثرت ہے جس طرح چاہیں کریں۔

غرض انہوں نے اس قسم کا ریزولیوشن پاس کر دیا کہ اس مکان کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا جائے۔ اسی دن یا غالباً ایک دو روز بعد مَیں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حکیم میر احمد صاحب قریشی جو حضرت خلیفہؓ اول کے بھتیجے یا بھانجے ہیں آئے اور دروازہ پر دستک دی اور مجھے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح بلاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول اس کمرہ میں بیٹھے تھے جو مسجد کے اوپر ہے اور جہاں آجکل شیخ بشیر احمد صاحب پلیڈر آ کر ٹھہرتے ہیں۔ ایک زمانہ میں وہاں مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم بھی رہا کرتے تھے۔ اس وقت ہمارے مکان کی شکل اور تھی جس دروازہ سے مَیں گرمیوں میں مسجد میں آیا کرتا ہوں اس جگہ اس زمانہ میں چھوٹی سی کھڑکی ہوتی تھی۔ اب اس کے آگے ہمارے گھر کی طرف صحن ہے مگر اس وقت وہاں صرف ایک راستہ بنا ہوُا تھا۔ باقی جگہ چھتی ہوئی نہ تھی بلکہ وہ کھلی ہوئی تھی اور اس کے نیچے دوسری منزل کا ایک صحن تھا جس میں لکڑی کی سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں اور جہاں مسجد مبارک کی اوپر کی حد ختم ہوتی ہے سیڑھیوں سے چڑھ کر وہاں سے ہوتے ہوئے مسجد میں سے گزر کر اس کمرہ میں پہنچتے تھے۔ مَیں اسی راستہ سے آیا اور اس کمرہ میں داخل ہوُا۔ حضرت خلیفہ اول کی پیٹھ شمال کی طرف تھی اور مُنہ جنوب کی طرف تھا یہ سب وہاں بیٹھے تھے۔ ان لوگوں کا مُنہ شمال کی طرف اور پیٹھ جنوب کی طرف تھی۔ مغرب کی جانب کچھ جگہ تھی مَیں اس طرف بیٹھ گیا۔ حضرت خلیفہ اول نے میری طرف مُنہ کر کے بہت ناراضگی میں فرمایا کہ میاں اب ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔ مَیں طرز سے بھانپ گیا کہ ضرور کوئی فساد کی بات ہوئی ہے مگر میرا ذہن اصل بات کی طرف نہیں گیا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے تو کوئی مخالفت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ اصل مالکوں کو پانچ ہزار روپیہ میں یہ مکان دے دیا جائے مگر ہماری مرضی کے خلاف یہ فیصلہ

کیا گیا ہے کہ اسے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا جائے۔ مَیں نے کہا کہ فیصلہ تو بے شک ہوا ہے مگر میری یہ رائے نہیں تھی۔ حضرت خلیفہ اول نے ان لوگوں کی طرف ہاتھ کر کے فرمایا کہ آپ لوگ تو کہتے تھے کہ میاں صاحب کی بھی یہی رائے تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان کے مشورہ سے ہی فیصلہ ہوا تھا۔ مَیں نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔ مَیں نے تو کہہ دیا تھا کہ میری رائے وہی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے اجازت دے دی ہے اس پر مَیں نے کہا کہ مجھے اجازت دکھاؤ اور اسے دیکھ کر مَیں نے صاف کہہ دیا کہ یہ اجازت تو نہیں یہ تو اظہارِ ناراضگی ہے۔ اور میری رائے یہی ہے کہ جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا ہے اسی طرح کیا جائے۔ حضرت خلیفہؓ اول نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اب بولو یہ تو انکار کرتے ہیں۔ اس پر شیخ رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ انہوں نے زور دے کر یہ فیصلہ کرنے سے ہم کو روکا نہیں تھا۔ اس پر حضرت خلیفہؓ اول نے غصہ سے فرمایا کہ تم انہیں بچہ بچہ کہتے رہتے ہو یہ تو میری تحریر کو سمجھ گئے مگر تمہاری سمجھ میں نہ آئی۔ یہ کس طرح روکتا؟ تمہارے ہاتھ پکڑ لیتا؟ انہوں نے پھر یہی کہا کہ انہوں نے زور دے کر نہیں روکا تھا۔ مَیں نے کہا کہ میرے پاس روکنے کے لئے کیا اختیار تھا؟ آپ لوگ بھی ممبر تھے اور مَیں بھی ایک ممبر تھا۔ مَیں کیا کر سکتا تھا؟ یہ لوگ ہیں جو صحابی کہلاتے ہیں مگر افسوس میرے خلاف ہمیشہ جھوٹ سے کام لیتے رہے ہیں۔ پس ہماری جماعت کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ صرف مُنہ سے کوئی صحابی نہیں بن سکتا۔ صحابی بننے کے لئے صداقت پر عمل بہت ضروری ہے مگر ان لوگوں نے میرے معاملہ میں ہمیشہ یہی راہ اختیار کی ہے اور جھوٹ بولا ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں صرف یہی نہیں۔ اس زمانہ میں تو ایک نہ ختم ہونے والا فساد تھا جو چلتا ہی جاتا تھا۔ مگر مَیں ان باتوں سے گھبراتا نہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی طرف سے ایسی باتیں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں۔ یہ برادرانِ یوسف ہیں۔ پہلے برادرانِ یوسف کو تو توبہ نصیب ہوگئی تھی۔ خدا جانے ان کو توبہ نصیب ہو گی

یا گناہوں کی وجہ سے اس سے محروم ہی رہ جائیں گے۔ بہرحال مَیں اپنی جماعت سے کہتا ہوں کہ دیکھو تمہارے لئے اس میں بہت بڑا سبق ہے۔ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محض کوئی نام اختیار کر لینا کوئی کام آنے والی چیز نہیں۔نام کے لحاظ سے تو ان میں صحابی بھی ہیں مگر واقعات بتاتے ہیں کہ جب بھی موقع ملا انہوں نے خواہ مخواہ نیش زنی کی اور کبھی غلط بیانی سے باز نہیں رہے۔

ایک اور واقعہ حضرت خلیفہ اول کی وفات کے وقت کا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو مَیں نے ایک اشتہار لکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری شدید ہے۔ یہ شاید وفات سے ایک دو روز پہلے کی بات ہے۔ مَیں نے اس میں جماعت کو یہ نصیحت لکھی کہ ہم لوگوں کو اس وقت سارے جھگڑے مٹا دینے چاہئیں کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کو بیماری کی حالت میں ان باتوں سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہمیں قربانی کرنی چاہئے کہ خاموش رہیں۔ مَیں نے یہ اشتہار لکھ کر مولوی محمد علی صاحب کے پاس بھیجا کہ اس پر دستخط کر دیں اور ہم دونوں کی طرف سے یہ شائع ہو جائے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ چاہیں تو اس میں مناسب اصلاح بھی کر دیں۔ مگر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ باہر کی جماعت تو ان جھگڑوں کو جانتی بھی نہیں۔ یہ تو قادیان کے چند لوگوں تک محدود ہیں۔ خواہ مخواہ باہر کی جماعتوں کو ان سے آگاہ کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر ادھر حضرت خلیفہؓ اول فوت ہوئے اور ادھر ان لوگوں کی طرف سے سب جماعتوں میں چھپے ہوئے اشتہار تقسیم کر دیئے گئے۔ جب مَیں نے اشتہار مولوی صاحب کے پاس بھیجا تھا اس وقت وہ اپنے اشتہار لکھ کر لاہور میں چھپوانے کے لئے بھجوا چکے تھے۔ مگر مجھے یہ جواب دیا کہ بیرونی جماعتوں کو ان جھگڑوں سے آگاہ نہیں کرنا چاہئے اورجو شخص اس طرح صداقت کا خون کر سکتا ہے اس سے دنیا میں اور کیا امید ہو سکتی ہے؟ میرے اشتہار پر دستخط تو اس خوف سے نہ کئے کہ لوگ کہیں گے کہ ایک طرف تو خود یہ باتیں پھیلا رہے ہو اور دوسری طرف کہتے ہو کہ ان جھگڑوں کو بند کر دیا جائے۔

مگر میرے پاس یہ عذر کر دیا کہ بیرونی لوگوں کو تو ان جھگڑوں کا پتہ نہیں ان کو آگاہ کرنے سے کیا فائدہ۔اسی طرح مولوی محمد علی صاحب یہ کہہ کر سلسلہ کی بہت سی کتب قادیان سے لے گئے کہ مَیں پہاڑ پر جا کر ان کی مدد سے ترجمۂ قرآن کروں گا لیکن آج تک وہ کتب واپس نہیں کیں اور ان کی مدد سے کیا ہوا ترجمہ اور سلسلہ سے تنخواہ لے کر کیا ہوا ترجمہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کی ملکیت قرار دے دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے واقع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صحبت پائی ہے۔ پس ہماری جماعت کو سمجھ لینا چاہئے کہ خالی صحبت فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔نام کا صحابی ہونا یا نام کی احمدیت یا اسلام کسی فائدہ کا موجب نہیں بلکہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں کہ کس قصور اور کس گناہ کی وجہ سے کس عذاب میں مبتلا ہو جائے۔خوب یاد رکھو کہ اصل جڑ تقویٰ ہے۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کا خوف جس دل میں نہ ہو وہ متکبر ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ ہم بہت نمازیں پڑھتے ہیں یا بہت چندے دیتے ہیں یا بہت روزے رکھتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ پر احسان کرتے ہیں بہت خطرے کی بات ہے اور ایسا خیال کرنے والوں کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ مَیں نے ایک شخص کو دیکھا وہ صحابی تھا مگر نماز نہیں پڑھتا تھا۔ باہر کسی جگہ رہتا تھا، مَیں وہاں گیا (خلافت اولیٰ کے وقت) تو مَیں نے محسوس کیا کہ یہ نمازوں میں باقاعدہ نہیں۔ مَیں نے وہاں کے دوستوں سے کہا کہ مجھے شبہ ہے یہ شخص نمازوں میں غافل ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کے سامنے تو نماز پڑھ لیتا ہے مگر ویسے نہیں پڑھتا اور چندہ بھی نہیں دیتا بلکہ جب کہا جائے تو کہہ دیتا ہے کہ ہم نے بہت نمازیں پڑھی ہیں، بہت چندے دیئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا خزانہ کافی بھر دیا ہے۔ اب ہمیں نمازوں کی اور چندے دینے کی ضرورت نہیں۔ ایسا خیال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان خیال کر لے کہ میرا نمازیں پڑھنا یا چندے دینا اللہ تعالیٰ پر احسان ہے اور اب مَیں نے کافی احسان کر دیا کب تک کرتا جاؤں۔ حالانکہ اگر وہ نیکیوں کی توفیق ملنے کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا

احسان سمجھتا تو کبھی اس سلسلہ کو بند نہ کرتا۔ کیونکہ کوئی انسان اپنے اوپر احسان کا دروازہ بند کرنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ مل ہی رہا ہے میرا نقصان نہیں ہو رہا۔

مَیں نے دیکھا ہے ہمارے بعض دوست ان لوگوں کی ایسی باتوں سے چڑتے ہیں حالانکہ چڑنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ہوشیار اور بیدار ہونے کی بات ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گر جاؤ اور ہمیشہ استغفار کرتے رہو۔ کسی نے کہا ہے کر، تب بھی ڈر، نہ کر، تب بھی ڈر۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا معاملہ بہت ہی نازک معاملہ ہے کیونکہ ایک طرف تو احسان ہی احسان ہے اور دوسری طرف ناشکری ہی ناشکری ہے۔ انسان کتنی نمازیں پڑھے، کتنے روزے رکھے، کتنے حج کرے، کتنی زکوٰتیں دے، کتنا ذکر الٰہی کرے پھر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان وہ نہیں اُتار سکتا۔ ایک طرف تو احسان ہی احسان ہے اور دوسری طرف کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں اور اگر دل میں ذرا بھی کبر پیدا ہو جائے تو بس بیڑا تباہ ہے۔ یہ لوگ تمہارے لئے عبرت کا مقام ہیں۔ جس طرح آباد گھروں کے پاس اجڑے ہوئے گھر عبرت کے لئے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کسی بادشاہ نے کسی بزرگ سے کہا کہ ہمیں تو آپ پر بہت حسن ظنی ہے مگر آپ کبھی نصیحت کے لئے ہمارے پاس نہیں آئے۔ وہ بزرگ بادشاہ کو لے کر اس قلعہ کی ایک کھڑکی کے پاس گئے اور فرمایا وہ دیکھئے! آپ کے سامنے آپ سے پہلے بادشاہ کے قلعہ کے کھنڈرات ہیں جس کے سامنے اس قدر عبرت کا سامان ہو اس کے پاس میرے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا اس بادشاہ کے پاس سامان آپ سے کم تھے؟ یہی حال آپ کا بھی ہو سکتا ہے۔ تو ہمیں ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ نادان معترض کہتے ہیں کہ کیا محمد مصطفی ﷺ گناہ کرتے تھے جو استغفار کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے کا مقام ہی استغفار کا ہے کوئی کتنی قربانیاں کرے، کتنی عبادات بجا لائے پھر بھی اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے احسان سے کم ہی

رہتا ہے۔پس جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ خدا تعالیٰ کی شان کو سمجھنے والا ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ اس کا فرمانبردار ہے۔

پس ہر وقت استغفار کرتے رہو اور توبہ میں لگے رہو۔اور روحانیت کے یہ گرے ہوئے کھنڈرات یعنی پیغامی جو تم کو نظر آتے ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت بھی ان کو تقویٰ پر قائم نہ کر سکی اور ان کے دلوں میں احمدیت کے نام لیواؤں کا بُغض اتنا بڑھ گیا کہ یہ ہر انسان کے ساتھ حسن ظنی کر سکتے ہیں مگر احمدیت کے نام لیواؤں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ جب غیر احمدیوں کے کفر کا سوال آتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی میں 99 وجوہ کفر کی اور ایک ایمان کی ہو تو پھر بھی اس کے متعلق حسن ظنی سے کام لینا چاہئے اور اسے کافر نہیں کہنا چاہئے۔مگر ہمارے متعلق اگر99 وجوہ حسن ظنی کی اور ایک بد ظنی کی ہو تو اس وقت بھی یہ امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بالکل بھول جاتے ہیں اور ہمیشہ بدظنی سے کام لیتے ہیں۔یہ حالت کیوں ہوئی؟ محض اس وجہ سے کہ ان کی طرف سے کوئی اندرونی گستاخی ہوئی جس سے یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہو گئے۔اور یاد رکھو! کہ ایسے خطرات میں تم بھی اور مَیں بھی گرفتار ہو سکتا ہوں۔پس استغفار کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو تا وہ اس مقام سے بچائے اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھے۔"

(الفضل 5 مارچ1941ء)